Open Access

Al-Irfan(*Research Journal of Islamic Studies*)

Published by: *Faculty of Islamic Studies & Shariah*
Minhaj University Lahore
ISSN: *2518-9794 (Print), 2788-4066 (Online)*
Volume 08, Issue 16, July-December2023,
Email: alirfan@mul.edu.pk

فکر اقبال کی عصری معنویت جدید نو آبادیاتی تہذیبی تناظر میں

Contemporary Significane of Iqbal's Thought in Modren neo-demographic Content

Jahangir Tahir
Research scholar, The Institute of Southern Punjab, Multan
Jahangeer.lap@gmail.com
Dr. Fayyaz Ahmed Farooq
Research scholar, The Institute of Southern Punjab, Multan

ABSTRACT

After the 2nd World War, the United States emerged as a new superpower and planned indirect political, economic, and cultural rule instead of direct control. For this purpose, the European Countries under its rule gathered to form a "Neo-Colonial System" and laid the foundation of some institutions like the IMF, WTO, and World Bank. Today, these institutions have become the arms of imperial powers and the policies of weaker countries are controlled by international aid, provision of loans, investment facilities, and technological advancement. The same imperialist spirit of Kippling's "White Man's Burdon" is seen in the ideas of Fukuyama and Huntington. This neo-imperialism is built on ideas like cultural hegemony, capitalism, and political oppression. Allama Muhammad Iqbal is a great Muslim figure of the 20th century who is remembered as a representative of anti-colonialism. His poetry and prose is an expression of different aspects of anti-colonialism. In his creations, the intensity of passion along with the intellectual and spiritual depth has been present in the highest degree. This is the sign of the living thinker that the meanings of his thoughts unfold over time. Even today, his universal thought can be a beacon for us against neo-colonialism with its full contemporary meanings.

Keywords:

Neo-Colonialism, Anti-Colonialism, Allama Muhammad Iqbal, Cultural Hegemony, Contemporary Meanings.

https://doi.org/10.58932/MULB0020

بیسویں صدی سیاسی طور پر ہنگامہ خیز ثابت ہوئی۔ دو عالمگیر جنگیں، یورپی نوآبادیات کا خاتمہ، نئی قومی ریاستوں کا ظہور، جدید استعماری نظام کی تشکیل اور سرد جنگ جیسے واقعات تاریخ کا حصہ بنے۔ یورپی اقوام نے سولہویں صدی سے بیسویں صدی تک دنیا کو عسکری و سیاسی طور پر مغلوب کیے رکھا اور معاشی و تہذیبی استحصال کی نئی تاریخ رقم کی۔ اس استحصال کو استعماریت کا نام دیا جاتا ہے۔ استعماریت ایک ایسا نظام ہے جس میں طاقت ور ممالک کمزور ریاستوں پر عسکری تسلط قائم کرتے ہیں اور پھر اپنے قوانین، ثقافت اور تہذیبی اقدار و روایات کو بزور قوت نافذ کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ مقبوضہ ممالک کے ذرائع پیداوار، قدرتی وسائل اور افرادی قوت کو بذریعہ جبر واستحصال اپنے ممالک کی تعمیر و ترقی کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ اس کی فکری بنیادوں میں تہذیبی تفوق یا بالادستی، سیاسی جبر واستبداد، معاشی استحصال اور طبقاتی تقسیم جیسے نظریات شامل ہوتے ہیں۔۔ اس کے لیے نوآبادیات اور سامراحیت جیسے الفاظ بھی مستعمل ہیں۔ دو عالم گیر جنگوں کے بعد یورپ اقتصادی طور پر بد حال ہو چکا تھا اور اُسے اس عظیم نوآبادیات پر اپنا اثر و تسلط برقرار رکھنے کے لیے درکار سرمایہ دستیاب نہیں تھا۔ مفتوحہ ممالک کے اندر آزادی کی تحریکوں نے عوام میں سیاسی بیداری پیدا کی تو اندرونی شورش برپا ہو گئی۔ اس صورت حال میں یورپ خارجی اور اندرونی محاذوں سے نبرد آزما ہونے کے قابل نہیں تھا اس لئے مقبوضہ ممالک میں ان کا اثر و دائرہ کار کم ہونے لگا۔ یہ استحصالی نظام بظاہر انہدام ہونا شروع ہوا اور نوآبادیاتی ممالک جدید قومی ریاستوں کی شکل میں آزاد ہو کر دنیا کے نقشے پر ظاہر ہونے لگے۔ اس ساری صورت حال سے امریکہ نے فائدہ اٹھایا جو کہ اُس وقت ایک نئی ابھرتی ہوئی عالمی طاقت تھا۔ مارشل پلان کے تحت یورپ کے انفراسٹرکچر کی تعمیر نو اور اس کی اقتصادی حالت کو استحکام دینے کے لئے امریکہ نے پوری دنیا میں اپنے سرمائے کو پھیلا دیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر امریکہ نے ایک منصوبہ ترتیب دیا جس میں بلاواسطہ حکومت کی بجائے بالواسطہ حکومت کی طرح ڈالی اور ''جدید استعماری نظام'' کی بنیاد رکھی۔ 1944 کو ''برٹین ووڈ'' معاہدے میں تین اداروں کی بنیاد رکھی گئی تاکہ عالمی سیاست و معشیت پر کنٹرول قائم رکھا جا سکے۔ ان اداروں میں آئی ایم ایف، عالمی بینک اور WTO شامل تھے۔ یہ ادارے اب امریکہ کی سربراہی میں غریب ممالک کی معاشی لوٹ مار میں مصروف ہیں۔ ان اداروں کے ذریعے بین الاقوامی قرضوں کی فراہمی، ٹیکنالوجی کی منتقلی، سرمایہ کاری میں اضافہ جیسے حسین جال تیار کئے گئے جنکی مدد سے ان کمزور ممالک کی داخلہ، خارجہ اور معاشی پالیسیوں پر اثر انداز ہو کر اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کی جانے لگی۔

"دوسری جنگ عظیم کے بعد جب یورپ اقتصادی طور پر بدحال تھا تو اس وقت امریکہ کو سرمایہ کاری کے مواقع میسر آ گئے اور اس نے امریکی امداد کے ذریعے پہلے یورپی اقوام کو صنعتی بحران سے بچایا اور پھر ان کے ساتھ مل کر تیسری دنیا کے ملکوں کے استحصال کا پروگرام بنایا"۔(1)

اس جدید نظام کا بنیادی مقصد بھی نئی نوآبادیات کی منڈیوں پر قبضہ، معاشی استحصال، خام مال کا حصول اور اُن کی پالیسیوں کو بالواسطہ کنٹرول کرنا تھا۔ نئے ممالک ابھی اس قابل نہیں تھے کہ وہ کوئی آزاد معاشی پالیسی ترتیب دے سکیں۔ چونکہ اُن کے پاس سرمایے اور اہل افراد کی کمی تھی اس لیے انہوں نے اس نئے نظام کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے۔ سیاسی طور پر آزاد ہونے کے باوجود وہ معاشی طور پر اس نئے نظام کے شکنجے میں پھنس گئے۔ سوویت یونین کے انہدام کے بعد امریکہ تنہا عالمی طاقت کے طور پر ابھرا یوں اسے تیزی سے اپنا اثر ورسوخ اور بین الاقوامی سطح پر اپنا دائرہ وسیع کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا چنانچہ اس نے سیاسی واقتصادی مفادات کے حصول اور بین الاقوامی تجارتی گزرگاہوں اور اہم مقامات پر اپنی تسلط جمانے کیلئے سیاسی اور فوجی اقدامات کا وسیع سلسلہ شروع کر دیا۔ نیو ولڈ آرڈر کے تحت امریکہ نے جدید عالمی نظام کی قیادت از خود سنبھالی اور یوں ایک نئے استعماری دور کا آغاز ہوا۔

تیسری دنیا کے ترقی پذیر ممالک پر بالواسطہ معاشی، سیاسی و ثقافتی کنٹرول کا جو نظام امریکہ کی سربراہی میں تشکیل دیا گیا اسے جدید نوآبادیات سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس اصطلاح کا استعمال سب سے پہلے فرانسیسی فلسفی جین پال سارتر (Jean Paul Sartre) نے (Colonialism and Neocolonialism) میں کیا تھا۔(2) اُس کتاب میں اس نے فرانس پر کڑی تنقید کی تھی جو اپنی سابقہ کالونی (الجزائر) پر اثر انداز ہو رہا تھا۔ سارتر اس حق میں تھا کہ الجزائر اپنی پالیسیاں بنانے میں آزاد ہے اُسے اپنی پالیسیاں خود ترتیب دینی چاہییں۔

اس اصطلاح کو عالمگیر شہرت گھانا (افریقہ) کے سابق صدر کوامے نکراما (Kwame Nkrumah) کی وجہ سے ملی جنہوں نے اپنی تصنیف (Neocolonialism: The Last Stage of Imperialism) میں جدید نو آبادیات کے عزائم اور حکمت عملی کا پردہ چاک کیا۔ وہ اپنے ابتدائیہ میں یوں رقم طراز ہیں:

"The neocolonialism of today represents imperialism in its final and perhaps the most dangerous stage…The essence of neocolonialism is that the State which

(1) مبارک علی، ڈاکٹر، تاریخ اور سیاست، تاریخ پبلی کیشنز، لاہور، 2012، ص82

(2) Sartre J. Paul, Colonialism and Neo colonialism, Routledge, London, 2001

is subject to it, in theory, independent but in reality its economic system and thus its political system is directed form outside."(1)

کوامے کے مطابق جدید نوآبادیاتی نظام استحصال، جبر واستبداد اور ظلم کی انتہائی خطرناک صورت ہے۔اس نظام میں کوئی بھی ملک بظاہر تو آزاد نظر آتا ہے مگر اس کی اقتصادی وسیاسی پالیسی پر طاقت ور ممالک کا کنٹرول ہوتا ہے۔یعنی وہ خود مختار ہونے کے باوجود معاشی غلامی کا شکار ہوتا ہے۔

جدید استعماری نظام میں کمزور ریاست کی سیاسی اور معاشی پالیسیوں کو بالواسطہ کنٹرول کرنے کے لیے یورپی اور امریکی اس ملک کو بین الاقوامی اداروں کے ذریعہ قرضوں کی فراہمی اور سرمایہ کاری میں آسانی پیدا کرتے ہیں۔اپنے مذموم مفادات کے تحفظ کی خاطر حکومتیں تک بدل لیتے ہیں اور اپنے پسندیدہ مقتدر طبقے کو اقتدار منتقل کرتے ہیں۔ جہاں کہیں بالواسطہ سیاسی غلبہ حاصل نہ کر سکیں وہاں بلاواسطہ عسکری کارروائی سے بھی گریز نہیں کرتے۔اس جدید استعماری نظام کی بنیادیں بھی سیاسی جبر، معاشی استحصال و تہذیبی بالادستی پر قائم ہیں۔جدید استعمار کے مقاصد و عزائم وہی ہیں مگر طریقہ کار میں تبدیلی آچکی ہے یعنی اس نظام کی جڑیں یورپی نوآبادیات میں ہی پیوست ہیں۔

جدید نوآبادیاتی نظام نے امریکہ کی سرپرستی میں پوری دنیا کو بالخصوص عالم اسلام کو اپنے استبدادی شکنجے میں جکڑ رکھا ہے۔ساری دنیا میں تہذیبی، معاشی سیاسی اور سماجی دہشت گردی کا بازار گرم ہے۔اس جدید نظام نے ایشیا اور افریقہ کے ممالک کی سیاسی اور معاشی آزادی کو سراب میں بدل دیا ہے۔ یہ نظام اب ایک طاقت ور شکل اختیار کر چکا ہے امریکی حکومت کی تمام داخلی و خارجی پالیسیاں اسی نظام کو مستحکم کرنے کے لیے وضع کی جاتی ہیں۔ سرمایہ کاری میں اب ریاستوں کے علاوہ ملٹی نیشنل کمپنیاں بھی شامل ہو چکی ہیں۔ سرمایہ کاری کا واحد مقصد نوآبادیات کا معاشی واقتصادی استحصال ہے۔یہ نظام غریب ممالک کو سیاسی اور سماجی طور پر دبا کر رکھتا ہے تاکہ لوگ اس نظام کے خلاف آواز نہ اٹھا سکیں۔اسی لیے آمرانہ اور مطلق العنان حکومتیں اس نظام کے لیے سازگار ہوتی ہیں۔ جہاں کہیں فضا سازگار نہ ہو تو وہاں منتخب حکومتوں کو گرا کر فوجی اور غیر منتخب لوگوں کی حکومتیں قائم کی جاتی ہیں بلکہ مسلط کی جاتی ہیں۔ان ممالک میں نئی نئی صنعتوں کے قیام، تعلیمی و زرعی اصلاحات، معاشی امداد اور سرمایہ کاری کے باوجود غربت، بیروزگاری، مہنگائی اور سماجی بے چینی کا عفریت منہ کھولے کھڑا ہے۔ان ممالک میں طبقاتی نظام جڑیں پکڑ چکا ہے اور یہ قرضوں کے بوجھ تلے ڈوبتے چلے جارہے ہیں۔یہ ساری صورت حال اور زیادہ خطرناک صورت حال اختیار کر لیتی ہے کیونکہ یہ ممالک خود کو آزاد سمجھتے ہیں لیکن حقیقتاً صورت حال اس کے برعکس ہوتی ہے۔

(1) Nkrumah, Kwame, Neocolonialism: The Last Stage of Imperialism, Thomas Nelson & Sons, London, 1965.

بقول کوامے نکراما کوئی ملک جو جدید نوآبادیاتی نظام کے شکنجے میں ہوتا ہے وہ اپنی تقدیر کا فیصلہ از خود نہیں کر سکتا اور یہ صورت حال بین الاقوامی امن کے لئے خطرناک ہے۔

آج اُمت مسلمہ خاص طور پر استعماری جارحیت کا نشانہ ہے۔ اسے ایک سنگین چیلنج کا سامنا ہے۔ اُمت آج نظریاتی، سیاسی، ثقافتی اور عسکری سطح پر مغربی یلغار کی زد میں ہے۔ مسلمان تقریباً ڈیڑھ ارب ہونے کے باوجود بھی عالمگیر سطح پر کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتے۔ یورپی استعمار کی غلامی سے آزاد ہوئے پچاس ساٹھ برس سے زائد ہو چکے مگر ہمارا انحطاط، تنزلی اور مسکینیت ہے کہ کم ہونے میں نہیں آرہی۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے اس صورت حال کو یوں بیان کیا ہے:

"ہم سورۃ البقرہ کی آیت 61 کو سمجھے بغیر گزر جاتے ہیں (ان پر ذلت اور مسکنت تھوپ دی گئی) اور خیال کرتے ہیں کہ یہ یہود کے بارے میں ہے مگر معروضی حالات میں ان الفاظ کے مصداق یہودی نہیں بلکہ مسلمان ہیں۔"(1)

آج ہمارے وسائل پر خود ہماری ہی دسترس نہیں ہے۔ عالم اسلام کی دولت تیل، زرعی اجناس اور معدنیات پر امریکہ کا قبضہ ہے یا سوئزرلینڈ اور فرانس کے بینکوں میں پڑی ہیں۔ ہم سلامتی کونسل، ورلڈ بینک، عالمی مالیاتی ادارے سے قرض لے کر زندہ رہنے کا سامان کر رہے ہیں۔ ہمیں اپنی ہی دولت بھیک میں ملتی ہے جو کہ کرپٹ اشرافیہ کے ذریعے دوبارہ انہی کے بینکوں میں واپس چلی جاتی ہے۔ ساری دنیا کے مسلمان شدید ترین آلام اور مصائب کا شکار ہیں۔ فلسطین اور کشمیر میں کفار کے ہاتھوں جان، مال، عزتیں اور آبرو لٹوا رہے ہیں۔ جن ممالک میں معاشی ریل پیل ہے وہاں بھی عوام کی بہتری کیلئے کچھ نہیں ہو رہا بلکہ ذاتی عیش و عشرت یا مغربی مفادات کو ترجیح دی جاتی ہے۔(2)

جدید نوآبادیاتی نظام امریکہ کی سربراہی میں ہر قسم کی عسکری، معاشی اور سیاسی قوتوں سے لیس ہے اور پوری دنیا میں اس کے بغیر کوئی آزاد پالیسی ترتیب نہیں دی جاسکتی۔ پورا عالمی اقتصادی نظام اُن کے کنٹرول میں ہے اور ذرائع ابلاغ اُن کی دسترس میں ہیں۔ وہ جب چاہیں کہیں بھی کوئی بحران پیدا کر لیتے ہیں اور پھر اُس کو حل کرنے کی آڑ میں اُس ملک کی داخلہ و خارجہ پالیسی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مسلمان آج اُس بڑی غلامی میں مبتلا ہیں کہ بدقسمتی سے کوئی بھی اسلامی ملک صحیح معنوں میں سیاسی اور معاشی طور پر آزاد نہیں ہے۔ اس جدید نوآبادیاتی نظام کے ذریعے مغرب اپنی ثقافت اور تہذیب کو عالمگیریت کے نام پر پوری دنیا میں پھیلانے کی کوشش کر رہا ہے۔ پوری دنیا کے ذرائع ابلاغ کا استعمال کرتے ہوئے وہ اس تہذیبی جارحیت کو فروغ دینے کے لیے ہمہ وقت مستعد کوشاں ہے۔

---

(1) اسرار احمد، ڈاکٹر، سابقہ اور موجودہ مسلمان امتوں کا ماضی، حال اور مستقبل، مکتبہ خدام القران، لاہور، 1993، ص 7.

(2) سعدیہ رؤف، مقربی استعمار اور عالم اسلام، عکس پبلی کیشنز، لاہور، 2019ء

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال اور ردِ استعمار:

اس جدید استعماری یلغار کے نتیجہ میں اسلامی تہذیب و تمدن کی پوری عمارت زمین بوس ہو چکی ہے۔ یہ مسلمانوں کیلئے سخت مایوسی و بددلی کا زمانہ ہے۔ اقوام اکثر اس تنزلی، پستی اور غلامی کو تقدیر سمجھ کر صبر و شکر اور قناعت جیسی اصطلاحات کا غلط جامہ پہنا دیتے ہیں۔ خوئے غلامی ان کے قلوب و اذہان میں رچ بس گئی ہوتی ہے ایسی محکوم اقوام میں ہمیشہ قدرت ایسے فلسفی، شاعر، ادیب اور مفکر پیدا کر دیتی ہے جو اس قوم کے مردہ تن میں جان ڈال دیتے ہیں اور ان میں حریت فکر و عمل کا نیا خون دوڑا دیتے ہیں۔ وہ استعماریت کے خلاف ایک توانا آواز بن کر ابھرتے ہیں جسکی گونج بعد کے زمانوں تک سنی جاسکتی ہے۔ نو آبادیاتی ہندوستان میں اقبال بھی ایک ایسی ہی آواز ہے جس کی بازگشت آج بھی اپنی پوری عصری معنویت کے ساتھ سنائی دیتی ہے۔ علامہ محمد اقبال ان چنیدہ ہستیوں میں سے ہیں جن کی شعلہ بیانی اور فکری تازگی نے اس ملت کے تن مردہ میں جان ڈال دی۔ علامہ اقبال بیسویں صدی کی عظیم مسلمان شخصیت ہیں جنہیں رد استعماریت کے نمائندہ کے طور پر یاد کیا جاتا ہے۔ سامراجیت نے ان کی شخصیت پر گہرے اثرات مرتب کیے اور آپکی صورت گری ایسے ہوئی کہ سامراج کے خلاف رد عمل آپکی شخصیت کا مستقل جزو بن گیا۔ آپ کی شاعری بالخصوص اسی رد عمل اور اسکی مختلف جہات کے بیان کی داستان ہے۔ آپ کی اُردو شاعری میں کم و بیش چار ہزار اشعار ایسے ہیں جن میں استعماری ذہن و نظریات کے خلافت مزاحمت کے مفاہیم تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ (1) مغربی مرعوبیت اور جبر کے زمانے میں ایسی تنقید اقبال کی جرأت اور عزم و استقلال کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ انہوں نے شاعری میں نہ صرف استعمار اور سامراج کے افکار و نظریات کی نشاندہی کی بلکہ اس کے اثرات و عواقب سے بھی آگاہ کیا۔ وہ مغرب کی مادہ پرستی، الحاد، ملوکیت، سرمایہ داری اور نو آبادیاتی نظام کے تو خلاف ہیں لیکن اس کے مثبت پہلوؤں مثلاً آزادی کا تصور، جدید سائنس و ٹیکنالوجی میں مہارت، علم و حکمت کی ترقی، غربت و جہالت کا خاتمہ وغیرہ کی تعریف و توصیف بھی کرتے ہیں۔ ان کی تخلیقات میں جذبے کی شدت کے ساتھ فکری و معنوی گہرائی بدرجہ اتم موجود رہی ہے۔ ان کا استعمار کے خلاف رد عمل کوئی جذباتی اور وقتی نہیں ہے بلکہ انہوں نے پورے دقت نظر کے ساتھ استعمار کی نظریاتی بنیادوں کا جائزہ لیا اور حکیمانہ انداز میں اپنے افکار و نظریات پیش کیے۔ ڈاکٹر محمد آصف اپنی تصنیف "اقبال اور نیا نو آبادیاتی نظام" کے ابتدائیہ میں اس صورتِ حال کو یوں بیان کرتے ہیں:

> "اقبال کے ہاں استعمار کے خلاف کوئی جذباتی وقتی رد عمل نہیں ہے بلکہ پوری معنوی گہرائی، گیرائی، تاریخی و تہذیبی اور فلسفیانہ شعور کے ساتھ اسکی روح کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ اسی لیے اُن کے افکار میں سامراجی و استعماری نظام کے

(1) انور رومان، پروفیسر، اقبال اور مغربی استعمار، بزم اقبال، لاہور، 1996، ص80

نفسیاتی وعمرانی اثرات اور اسباب ونتائج پر بڑی خوب صورت اور بامعنی نتیجہ خیز بحث ملتی ہے جو وقت کی قید سے آزاد اور ہمہ گیر ہے"۔(1)

اب ہم جدید استعماری نظریات کی فکری بنیادوں کا جائزہ اور اسی تناظر میں فکر اقبال کا تجزیاتی مطالعہ کریں گے۔آج بھی جدید استعماری نظریات کے خلاف فکر اقبال کی عصری معنویت پوری آب وتاب سے پیش کی جاسکتی ہے۔کسی بھی افاقی فکر کی یہی نشانی ہوتی ہے کہ اُسکے معانی کی تہیں وقت کے ساتھ مزید کھلتی جاتی ہیں اور واضع ہوتی جاتی ہیں۔اقبال کی فکر کا ماخذ چونکہ قرآن وسنت اور اسلامی تہذبی شعور ہے اسی لیے اقبال کی فکر میں آفاقی مفاہیم تلاش کیے جاسکتے ہیں۔

جدید تہذیبی استعماریت اور فکر اقبال:

خدا کی بستی کو دکان سمجھنے والے عیار تاجر جب ہندوستان آئے تو اپنی تہذیب ، معاشرت ، مذہب اور افکار و نظریات بھی اپنے ساتھ لائے۔انہوں نے اپنی فتوحات، لوٹ مار اور استبداد کیلئے اخلاقی جواز بھی پیش کیے اور اپنی تہذیب کی برتری اور تفوق کا نعرہ لگایا۔وحشی اور غیر متمدن انسانوں کو سدھارنے کا عزم اور انہیں سست ، کاہل، جاہل اور لادینی قرار دے کر انسان بنانے کی دُھن کا خود ساختہ بوجھ اپنے سر لے لیا۔ریارڈ کپلنگ کا "سفید آدمی کا بوجھ "اسی نظریے کی باز گشت ہے۔یہ تہذیبی تفوق کا نظریہ استعماری ہتھکنڈوں میں سب سے زیادہ مؤثر اور عام ہے۔آج بھی جدید استعماری عزائم میں تہذیبی برتری کا نعرہ مستشرقین کی مدد سے جاری وساری ہے۔جو استعماری روح کپلنگ اور چرچل کی فکر میں نظر آتی تھی وہی آج ہٹنگٹن ،فوکویاما اور برنارڈ لیوس جیسے مستشرقین کے نظریات میں کارفرما نظر آتی ہے۔(2) دنیا کو باور کرادیا گیا ہے کہ آب صرف مغربی تہذیب ہی نظریاتی طور پر باقی رہے گی اور باقی سب تہذیبیں اسی کے نظریات وافکار گم ہو چکے ہیں۔دنیا میں ترقی اور آگے بڑھنے کے لیے مغربی تہذیبی اقدار کا اپنانا جزولاینفک سمجھا جانے لگا ہے۔اس جدید استعماری نظام کی تہذیبی بالادستی عالمگیریت کے نام پر پوری دنیا پر مسلط کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔اقبال مغرب کا رمز شناس تھا کیونکہ اُس کی عصری تعلیم مغرب میں مکمل ہوئی تھی۔اس کا مغربی تہذیب سے براہ راست واسطہ پڑا تھا اور انہوں نے مغرب کے مہ خانوں کی سیر کی ہوئی تھی۔''درس حکیمانہ فرہنگ'' کے باوجود وہ اپنی تہذیبی شخصیت کو قائم رکھنے میں کامیاب رہے۔یورپ کے علم وحکمت کا جلوہ ان کی نگاہوں میں چکاچوند نہ پیدا کرسکا۔

خیرہ نہ کرسکا مجھے جلوہ دانش فرنگ

(1) محمد آصف،ڈاکٹر،اقبال اور نیانوآبادیاتی نظام، فکشن ہاؤس،لاہور،2019

(2)ایضاً،ص17

سرمہ ہے میری آنکھ کا خاک مدینہ و نجف(1)

یہ اسلامی تہذیبی شعور اُن کے کردار کی پختگی کا مظہر تھا۔ مغربی تمدن کی ظاہری چمک دمک، مادی ترقی اور تہذیبی جلوہ خیزی انہیں خیرہ نہ کر سکی۔اُن کی شخصیت چونکہ داخلی طور پر تہذیب یافتہ اور منظم تھی اسی لیے وہ اس تہذیب کی صناعی سے زیادہ متاثر نہ ہوئے۔اُن کا ایک اپنا نظریہ حیات، نقطہ نظر اور تخلیقی، فکری و تہذیبی تشخص تھا۔ظاہر ہے ایسا تشخص خلا میں جنم نہیں لیتا اس میں ماحول، خاندان، تعلیم، تہذیبی روایات سب مل کر اپنا حصہ ڈالتی ہیں۔بانگ درا میں اس مغربی تہذیب کا خوب صورت تجزیہ موجود ہے کہ مغربی تہذیب کی رنگارنگی بظاہر تو نظر کو خیرہ کرتی ہے مگر یہ سب جھوٹے رنگوں کی ریزہ کاری ہے۔(2) گو یہ تہذیب اپنی ظاہری آن بان اور چمک کے باعث سب کو خیزہ کرتی ہے مگر اقبال کو خیزہ نہ کر سکی کیونکہ وہ اس تہذیب کو بڑے قریب سے دیکھ چکے تھے اور انہوں نے وہیں مغرب میں ہی اعلان کر دیا تھا کہ:

دیار مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زر کم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہو گا(3)

اب ہم اس تہذیب کی چند جہات کا جائزہ فکر اقبال کی روشنی میں لیتے ہیں جسے عالمگیریت کے نام پر مسلط کیا جارہا ہے۔اقبال اس تہذیب کے اثرات و نتائج سے باخوبی آگاہ تھے اور مسلسل اس سے خبردار کرتے آرہے تھے۔

1۔احساس کمتری یا ذہنی غلامی کے اثرات:

فاتحین ہمیشہ اپنی تہذیب کو بالاتر سمجھ کر بزور قوت نافذ کرتے ہیں اور محکوموں کو احساس دلاتے ہیں کہ اُنکی تہذیب و ثقافت فروتر ہے۔اپنی تہذیب اور افکار و نظریات کو جبر، دھونس، گمراہی اور عیاری سے غلاموں کے اذہان میں ٹھونسنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ محکوموں کے اندر احساس کمتری اور ذہنی غلامی جیسے نفسیاتی عوارض پیدا کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔ محکوم غلامی کو ذہنی طور پر قبول کر لیتے ہیں اور حریت و آزادی جیسی نعمتوں کے متعلق بے یقینی کا شکار ہو جاتے ہیں۔اقبال اپنے عہد کا گہرا شعور وادراک رکھتے تھے اور وہ جانتے تھے کہ سامراج کا مقصد ہی انسانوں کو غلام بنانا ہے۔یہ غلامی صرف جسموں تک ہی محدود نہیں رہتی بلکہ باطنی طور پر بھی اپنے اثرات مرتب کرتی ہے۔اقبال اپنے گہرے اور عمیق مشاہدے کی بنیاد پر غلامی کے ان نفسیاتی اثرات سے آگاہ تھے اور اپنی قوم کو بھی ان سے آگاہ کر رہے تھے۔

---

(1)اقبال،ڈاکٹر علامہ،کلیات اقبال اردو،اقبال اکادمی پاکستان،لاہور،1990،ص373

(2)ایضاً،ص305

(3)ایضاً،ص167

یقین مثل خلیل آتش نشینی یقین اللہ مستی خود گزینی

سن اے تہذیب حاضر کے گرفتار غلامی سے بدتر ہے بے یقینی(1)

انہوں نے اپنی قوم کو احساس دلایا کہ غلامی میں انسان کی حریت فکر و عمل میں جمود طاری ہو جاتا ہے۔اُس کے احساسات، جذبات، فکر اور سوچ تک غلامی کا شکار ہو جاتی ہے۔ محمد طاہر فاروقی لکھتے ہیں کہ علامہ اقبال کے نزدیک غلامی انسان کے قلب و ضمیر اور طبیعت و فطرت تک کو بدل دیتی ہے اور اس لیے اس سے بڑی لعنت کوئی نہیں ہے۔(2)غلامی کی شکار قوم بے دلی اور مایوسی کے دلدل میں جا اترتی ہے۔ وہ تہذیبی، شعوری، سیاسی اور معاشرتی طور پر گرواٹ کا شکار ہو جاتی ہے۔ محکوم اپنی صلاحیت، قابلیت اور قوت کو زیر استعمال لانے سے کتراتے ہیں اور ان کی فطرت میں غلامی کے اثرات رچ بس جاتے ہیں۔اقبال دیکھ رہے تھے کہ صدیوں کی غلامی نے مسلمانوں کی تازگی فکر کو گہنا دیا ہے۔ وہ نہ صرف اس مرض کی نشاندہی کرتے ہیں بلکہ اسکے اثرات و عواقب سے خبردار کرتے ہیں کہ غلامی میں انسانی شخصیت کے جوہر دب جاتے ہیں اور آزادی میں زندگی "بحر بے کراں" کی مثل پُر جوش ہوتی ہے۔(3)

وہ آزادی جیسی بیش قیمت شے کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہیں۔اُن کا مقصد یہی ہے کہ غلام اس بیش قیمت گوہر کی قدر و قیمت جانے اور فکر و عمل کیلئے غلامی کی زنجیروں کو توڑ ڈالے۔ وہ چاہتے تھے کے محکوم ذہنی غلامی سے نکل کر یقین کی دولت سے ہم کنار ہوں۔احساس کمتری کو ترک کر کے خود کو پہچانیں اور غلامی کی زنجیروں کو کاٹ ڈالیں۔

جب اس انگارہ خاکی میں ہوتا ہے یقیں پیدا تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روح الامیں پیدا

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں ہوا گر ذوق یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہے زنجیریں(4)

آپ کے افکار و خیالات سے عیاں ہوتا ہے کہ وہ بر صغیر میں مسلمانوں کی غلامانہ ذہنیت کے سخت خلاف تھے۔ ایسی قوم جو مغربی تہذیب سے ذہنی طور پر مرعوبیت کا شکار تھی اور غلامی کے طوق کو اتارنے کیلئے ابھی تیار نہیں تھی اُن کے لیے آزادی، خودی اور یقین محکم جیسے اوصاف کو پیش کیا۔اُن کے سامنے اسلامی تہذیب و تمدن کی خوبیاں واضح کہیں اور سمجھایا کہ مغربی تہذیب کے چمن کی آبیاری اسلامی تمدن کی مرہون منت ہے۔اقبال بخوبی آگاہ تھے کہ غلام معاشرہ احساس کمتری کا شکار ہوتا ہے۔ کوئی قوم جب غلامی قبول کرتی ہے تو وہ دوسروں کے مقابلہ میں اپنی تہذیب اور خوبیوں کو ناکارہ

---

(1)ایضاً،ص406

(2)فاروقی، محمد طاہر، سیرت اقبال، دہلی، اعلیٰ پریس، 1974، ص354

(3)اقبال، ڈاکٹر علامہ، کلیات اقبال اردو، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، 1990، ص288

(4)ایضاً،ص301

اور کم تر سمجھنے لگ جاتی ہے اور آہستہ آہستہ انہیں فراموش کر دیتی ہے۔ مسلمانوں کو مغربی تہذیب کے مقابل اسلامی تہذیب و تمدن کی خوبیاں اور صاف واضع کیے تاکہ ذہنی مرعوبیت کا خاتمہ ہو سکے۔ مثنوی ''پس چہ باید کرد'' میں مسلمانوں کو ان الفاظ میں مغربی تہذیب سے بچنے کی تلقین کی ہے:

اے زافسون فرنگی بے خبر فتنہ ہا در آستین او نگر

از فریب او اگر خواہی اماں اشتر انش راز حوض خود براں

حکمتش ہر قوم را بے چارہ کرد وحدت اعرابیاں صد پارہ کرد(1)

اس غلامی کے خلاف انہوں نے خودی کا استعارہ استعمال کیا ہے۔ یہ خودی دراصل مغربی سامراجیت کے خلاف ایک رد عمل ہے۔ اُن کا نظریہ تھا کہ جب تک قوم کے اندر خود کا تصور و شعور پیدا نہیں ہو گا وہ غلامی سے نجات نہیں پا سکیں گے۔ قاضی جاوید صاحب اپنی کتاب ''سر سید سے اقبال تک'' میں خامہ فرسائی کرتے ہیں۔

" نظریہ خودی کی تشریح و توضیع کی جانب کافی توجہ دی گئی ہے تاہم اس حقیقت کو مسلسل نظر انداز کیا گیا ہے کہ یہ تصور براہ راست نو آبادیاتی نظام کے خلاف ایک رد عمل ہے۔ خود علامہ نے اس کی جانب کئی اشارے کیے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ صرف خودی کی موت کی بنا پر ہندی شکستہ بالوں پر چمن حرام اور قفس حلال ہوا ہے اور یہ ہر قوم جو اپنی خودی کی حفاظت نہیں کر سکتی مظلومی کا شکار ہو جاتی ہے۔ یہ اس کا ناگزیر مقدر ہے۔ اس سے راہ نجات صرف خودی کی پرورش اور لذت نمود میں ہے۔"(2)

2۔ تہذیبی تصادم:

اپنے افکار و نظریات کو پھیلانے اور دوسروں تک پہچانے کا فطری داعیہ ہر انسان اور تہذیب میں موجود ہوتا ہے۔ اس جذبے میں اگر غلبے کی جبلت کارفرما ہو تو تصادم اور کشمکش ناگزیر ہو جاتے ہیں۔ سرد جنگ کے بعد استعماری قوموں کی سیادت امریکہ کے حصہ میں آئی۔ اُس کے بعد سے ماہرین و دانشور اُسے عالمی سماج، عالمی ثقافت، عالمی مذہب اور عالمی ریاست کے خواب دکھا رہے ہیں اور عالمگیریت کے نام پر اسے بزور قوت نافذ کرنے کی راہ دِکھا رہے ہیں۔ اشپنگلز ٹائن بی، برنارڈ لیوس، ہٹنگٹن فرانسس فوکو مایا جیسے تمام دانش وراس نظریے کو بڑھاوا دے رہے ہیں کہ مغرب کا تصادم باقی ماندہ دنیا کی تہذیبوں سے ناگزیر ہے۔ مغرب کے نظریہ ساز مسلسل غیر مغربی ثقافتوں کے ساتھ تصادم کو ناگزیر سمجھتے

(1) اقبال، محمد، کلیات اقبال فارسی، فرہنگ و ترجمہ، پروفیسر حمید اللہ ہاشمی، 967

(2) قاضی جاوید، سر سید سے اقبال تک، لاہور، تخلیقات، 1998ص235

ہوئے اس مفروضے کو بڑھاوا دے رہے ہیں کہ مغربی تہذیب باقی تمام تہذیبوں کا خاتمہ کر دے گی۔ ہنٹنگٹن نے جو "تہذیبوں کا تصادم" کا نظریہ پیش کیا ہے اُس کے مطابق تصادم عالمگیر سطح پر ہو گا اور ٹکراؤ نظریاتی نہیں تہذیبی ہو گا۔ اس نے غیر مغربی تہذیبوں میں سے صرف اسلام کو سب سے بڑے خطرے کے طور پر پیش کیا ہے۔ یہ نظریہ نیا نہیں ہے اس کے پیش رو ٹائن بی اور برنارڈ لیوس بھی ایسے ہی اسلام مخالف نظریاے اور مفروضے بیان کرتے رہے ہیں۔ مغربی نظریہ ساز یہ سمجھتے ہیں کہ سوویت یونین کی شکست کے بعد اکیسویں صدی میں بڑا ہدف اسلام ہے اور استعماری قوتیں اسلام کے خلاف پوری کاروائیاں جاری رکھیں۔ ہنٹنگٹن نے تو مغربی عالمی بالادستی قائم رکھنے کا خفیہ ایجنڈا صاف صاف لفظوں میں بیان کیا ہے اور ان خدشات کا برملا اظہار کیا ہے کہ اسلام موجودہ عالمی طاقت کے توازن کو درہم برہم کر سکتا ہے لہذا مغربی اقوام اسلام کو مزید ترقی اور فروغ دینے سے روکیں۔(1) ساتھ یہ بھی نصیحت کی ہے کہ مغرب دوسری تہذیبوں کے خلاف استحصالی کاروائیوں میں مصروف رہیں اور دنیا کی بالادست تہذیب کے طور پر قائم رہ سکیں۔ انہوں نے خاص طور پر اسلامی تہذیب کو مغرب کیلئے ایک بڑا چیلنج قرار دیا ہے ان کے نزدیک مستقبل میں مختلف ریاستوں اور تہذیبوں کے درمیان تعلقات کی نوعیت صرف مخاصمانہ ہو گی۔ ہنٹنگٹن کے نظریہ کو اپناتے ہوئے امریکہ اپنی شناخت اور نسلی برتری کے زعم میں اسلام اور مسلمانوں کو اپنا دشمن قرار دیا ہے، اس بات کو ایک صدی قبل ہی یہ مرد قلندر ان الفاظ میں بیان کر چکا ہے کہ "چراغِ مصطفوی" ازل ہی سے "شرارِ بُولہبی" سے برسرپیکار رہا ہے۔(2) اقبال کے نزدیک تصادم صرف حق و باطل کی کشمکش کا نام ہے۔ حق چونکہ کبھی باطل کو تسلیم نہیں کرتا اس لیے حق و باطل کی پیکار ختم نہیں ہو سکتی۔ ہنٹنگٹن نے کہا کہ سوویت یونین کے انہدام کے بعد صرف دو بڑی طاقتیں مد مقابل ہیں یعنی اسلام اور مغرب۔ لیکن اقبال ابلیس کی مجلس شوریٰ میں بہت پہلے یہ واقع کر چکے ہیں کہ

ہے اگر مجھ کو کوئی خطرہ تو اس امت سے ہے جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرار آرزو

جانتا ہے جس پہ روشن باطن ایام ہے مزدکیت فتنہ فردا نہیں، اسلام ہے(3)

---

(1) حذافہ رفیق، عصری تہذیبی تصادم اور فکر اقبال کا تجزیاتی مطالعہ، تحقیقی مقالہ، شعبہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب، لاہور، 2001

(2) اقبال، ڈاکٹر علامہ، کلیات اقبال اردو، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، 1990، ص248

(3) ایضاً، ص709

اقبال نے قریباً ایک صدی پہلے جدید استحصالی نظام کو جو اسلامی تشخص مٹانے کے درپے ہے کا ادراک کر لیا تھا اور اسکا اظہار ضرب کلیم کی ایک نظم میں یوں کیا ہے کہ یہ استعمار مسلمانوں کے بدن سے "روحِ محمد" کو نکال کر فرنگی تخلیاتی فکر کو حجاز و یمن میں پھیلانے کی کوشش کر رہا ہے۔(1)

اس کے علاوہ اشپینگلر نے ''زوال مغرب'' میں بھی اسلامی تہذیب کے مردہ ہونے کی پیشن گوئی کی تھی تاکہ مسلمانوں میں اسلامی نشاۃ ثانیہ کے حوالہ سے بددلی اور مایوسی پھیل سکے۔اس حرف قلندر نے اُن کی اس شرارت کو بھانپ لیا اور خطبات میں اس فتنہ کی جڑ کاٹ دی۔بقول وحید عشرت:

"علامہ اقبال نے کہا کہ وہ مذہب جو جسم نامی کے حیات بعد الموت پر یقین رکھتا ہے وہ تہذیبوں کے دوبارہ جنم لینے کے تصور سے کیونکر منکر ہو سکتا ہے۔دراصل مغرب اس طرح کے علمی اور نفسیاتی ہتھکنڈوں سے مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کی تحریکوں کو سبوتاژ کرنا چاہتا تھا۔اقبال نے اس نظریے کی جڑ کاٹ دی اور اس یقین کا اظہار کیا کہ عقل استقرائی اور تجربی منہاج فکر اپنا کر مسلمان پھر اپنی اس تہذیب کو بارآور کر سکتے ہیں۔تہذیب اسلامی کا یہ حرکی تصور اقبال کا ایک ایسا کارنامہ ہے جس نے مغرب کی مرعوبیت اور مسلمانوں کی مایوسی کو امید،امنگ اور جوش عمل میں بدل دیا۔"(2)

اقبال کے اس جوش،ولولے اور امنگ نے مغرب کے استعماری نظام کے تار پور بکھیر دیے اور مسلمانوں میں اپنی تہذیب کے احیاء کا حوصلہ بخشا۔ان کے فرمودات کی روشنی میں مغربیت اور اسلام کی کشمکش ایک فیصلہ کن موڑ مڑ رہی ہے جہاں مغرب زوال کی طرف رواں ہیں اور مشرق عروج کے خواب دیکھ رہا ہے۔

الحاد و مادیت پسندی:

اقبال کے خیال میں مغربی تہذیب کی چمک دمک اور طمطراق حد اعتدال سے گزر گئے ہیں۔جدید مغربی تمدن میں مادی زندگی بارے جو غلط رویہ پنپ رہا ہے اقبال اُسے فطرت کی روح کے منافی خیال کرتے ہیں۔اُن کے خیال میں مغربی تہذیب باطنی طور پر بالکل بانجھ ہو گئی ہے اسی وجہ سے یہ اخلاقی اقدار سے محروم ہو چکی ہے۔اسکے پاس تسخیری قوت تو موجود ہے مگر روحانی نشو و نما کا کوئی سامان موجود نہیں۔انسان فطرت کی غلامی سے نوآزاد ہو رہا ہے مگر نفس کی غلامی سے آزاد نہیں ہو سکا۔ضرب کلیم میں ''زمانہ حاضر کا انسان'' میں یوں رقمطراز ہیں:

---

(1)ایضاً،ص658

(2)وحید عشرت،ڈاکٹر،فکریات اقبال،سنگ میل پبلی کیشنز،لاہور،2010،ص24

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

جس نے سورج کی شعاؤں کو گرفتار کیا زندگی کی شبِ تاریک سحر کر نہ سکا(1)

مغربی تمدن مادی زندگی پر ایسا فریفتہ ہوا کہ روحانی زندگی کی لذت اور قدر و قیمت سے تہی دامن رہ گیا حالانکہ زندگی روح اور مادے کے حسین امتزاج کا نام ہے۔ مغرب میں طبعی سائنس نے جو کرشمے دکھائیں ہیں اُس سے انکار ممکن نہیں مگر جوہرِ انسانی بُری طرح مجروح ہو چکا ہے۔ انسان کا وظیفہِ حیات انفس وافاق کی تسخیر کی سعی کرتے رہنا ہے۔ طبعی سائنس نے آفاق کی تسخیر کا تو کام کر لیا ہے مگر روحانی اقدار کا کوئی پتہ نہیں۔ اسی سائنس نے انسان کو ظالم وجابر بنا دیا ہے اور طاقت ور ممالک کمزور ممالک کے درپے آزار رہتے ہیں۔ ضرب کلیم میں اس مادہ پرستی پر ایک اور ضرب رسید کرتے ہیں:

آفاق کے ہر گوشے سے اُٹھتی ہیں شعاعیں بچھڑے ہوئے خورشید سے ہوتی ہیں ہم آغوش

اک شور ہے مغرب میں اُجالا نہیں ممکن افرنگ مشینوں کے دھوئیں سے ہے سیہ پوش(2)

اقبال کے خیال میں چونکہ مغرب کے پاس شعور نبوت کی فکری روشنی نہیں ہے اسی لیے وہ ایمان و روح کی لذت سے محروم ہے اور ایسی تہذیب کو استحکام نصیب نہیں ہو سکتا۔ ایسی تہذیب روحانی اقدار، اعلیٰ مقاصد، تخلیقی قوت اور عشق جیسے اوصاف سے تہی دامن ہوتی ہے۔ روحانیت ہماری اجتماعی زندگی میں انقلابی قوتیں پیدا کرتی ہے وہ ایسی تہذیب میں پنپ نہیں سکتی۔ وہ مغربی ذہنیت کا نقشہ کچھ یوں کھینچتے ہیں:

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب کہ روحِ مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف

رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناہید ضمیرِ پاک و خیالِ بلند و ذوقِ لطیف(3)

مغرب کے خلاف جتنے محرکات و عوامل ہو سکتے تھے سب اقبال کی طبعیت میں جمع ہو چکے تھے انہوں نے مغربی تہذیب کا دقت نظر سے مطالعہ کیا اور اُس میں مضمر خرابیوں کی طرف نشاندہی کر دی۔ اسکی حسی ترقی نظر کو تو خیرہ کرتی ہے مگر انسانیت کا حقیقی جوہر وہاں مفقود ہے ظاہری ترقی اور سائنسی کمالات نے انسانوں کو بھی مشین میں تبدیل کر دیا ہے جسطرح کوئی بھی مشین روح اور دل کے بغیر ہوتی ہے اسی طرح مغرب کا انسان بھی عشق و سوز سے خالی ہو چکا ہے۔ ایسی

---

(1) اقبال، ڈاکٹر علامہ، کلیات اقبال اردو، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، 1990، ص583

(2) ایضاً، ص620

(3) اقبال، ڈاکٹر علامہ، کلیات اقبال اردو، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، 1990، ص585

تہذیب جہاں مشینوں کی حکومت ہو وہاں انسانی احساسات کی کوئی قدر نہیں ہوتی اور وہ ہمیشہ کچلے جاتے ہیں۔(1) جب کوئی قوم ظاہر پرستی اور مادیت کو اپنی اجتماعی زندگی کا نصب العین بنالے تو پھر وہاں اعلیٰ انسانی اقدار کا نپنپا مشکل ہو جاتا ہے۔ ''پس چہ باید کرد اقوام شرق'' میں لکھتے ہیں:

آدمیت زار نالید انہ فرنگ زندگی ہنگامہ بر چید از فرنگ

(انسانیت فرنگیوں کے ہاتھوں بڑی ہی نالاں ہے۔ زندگی نے فرنگ سے کئی ہنگامے پائے ہیں۔)

مشکلات حضرت انسان از وست آدمیت را غم پنہاں از وست

(نوع انسانی کی ساری مشکلات اسی وجہ سے ہیں اور آدمیت کیلئے روگ بنا ہوا ہے۔)

در نگاہش آدمی آب و گل است کاروان زندگی بے منزل است (2)

(اُسکی نگاہ میں آدمی محض مٹی کا پتلا ہے اور زندگی کا کارواں بے مقصد رواں ہے۔)

مغربی تہذیب کے اس پہلو کا خصوصاً مسلمانوں پر کیا اثر پڑ رہا ہے اسکی جانب توجہ یوں مبذول کرواتے ہیں کہ مومن کی نگاہ فرنگی مادیت پر فریفتہ ہو کر ادب جیسی اعلیٰ صفت سے خالی ہو چکی ہے جس نے حرم تک میں فتنہ و فساد برپا کر رکھا ہے۔(3) اقبال کے نزدیک اس تہذیب کی بنیاد الحاد اور لادینیت پر ہے۔ ظاہری اور عقلی ترقی نے دلوں کو بے نور کر دیا ہے۔ یہ تہذیب روحانیت کی منکر اور الحاد کی طرف مائل نظر آتی ہے۔ الحاد تمام برائیوں کی جڑ ہے اور اس کے منطقی نتائج بہت دور رس ہیں؛ نہ معاد کا تصور نہ فکر آخرت بس دو دن کی زندگی۔(4) لادینی طرز فکر و عمل کا نتیجہ اہل یورپ کیلئے بہت خطرناک اور نقصان دہ ثابت ہوا۔

''لبالب شیشۂ تہذیب حاضر ہے، مہ لا سے''

علامہ اقبال کی استعماریت اور اُنکی تہذیب پر تنقید اُس زمانے کی ہے جب پورا عالم اسلام اُس کے پنجۂ استبداد میں تھا۔ ہماری شعری تاریخ میں ایسی جرأت مندانہ اور برمحل تنقیدات صرف اقبال ہی کا خاصہ ہیں۔ سید ابو علیٰ مودودی

---

(1) ایضاً، ص431

2) اقبال، محمد، کلیات اقبال فارسی، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، 1994، ص713

(3) اقبال، محمد، کلیات اقبال فارسی، فرہنگ و ترجمہ، پروفیسر حمید اللہ ہاشمی، 1003

(4) ہاشمی، رفی الدین، اقبالیات: تفہیم و تجزیہ، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، 2004، ص67

صاحب یوں رقم طراز ہیں کہ اقبال کا سب سے بڑا کارنامہ مغربی مادہ پرستی پر ایک کاری ضرب لگانا ہے۔ مسلمانوں پر مغرب کی مرعوبیت کو ختم کرنا صرف اقبال ہی کا کارنامہ ہے۔(1)

حاصل کلام:

علامہ اقبال بیسوی صدی کی ان نابغہ ہستیوں میں سے ہیں جنہوں نے استعماری نظریات کا نہ صرف رد کیا ہے بلکہ اس کے حل کیلئے راہ نما اصول بھی فراہم کیے۔ان کی فکر کے ماخذ چونکہ قرآن وسنت اور اسلام کا تہذیبی شعور ہیں اس لئے ان کے بتائے ہوئے اصول عالمگیر اہمیت کے حامل ہیں۔ گو ان کا خطاب زیادہ تر مسلمانوں سے ہے مگر فکری مفاہیم آفاقی معنویت لئے ہوئے ہیں۔ کوئی بھی فرد یا قوم ان اصولوں پر عمل پیرا ہو کر نصب حاصل کر سکتی ہے۔اقبال کے نزدیک کہ اسلام ہی ایسا ضابطہ حیات عطا کرتا ہے جس میں استحصال اور استعماری نظریات کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔اقبال صرف اپنے دور کی سماجی، سیاسی اور تہذیبی صورت حال کا گہرا ادراک ہی نہ رکھتے تھے بلکہ انہیں مستقبل میں جھانکنے کی خداداد صلاحیت بھی ودیعت ہوئی تھی۔ اکیسویں صدی میں عالمی استعماری نظریات نے انسانیت اور کمزور اقوام کو مجموعی طور پر خوف، دہشت، ذہنی دباؤ اور غیر محفوظ ہونے کے کرب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ امریکہ کی سرپرستی میں یہ نظام فکری، نظریاتی اور سیاسی سطح پر اپنی دسترس مضبوط رکھنے کیلئے ہر ہتھکنڈے استعمال کرنے میں مصروف ہے۔ مغربی تہذیب خبط عظمت، تہذیبی تکبر اور جنون عالمگیریت میں مبتلا ہو چکی ہے جو کہ ہٹنگٹن اور فوکو مایا جیسے مفکرین کا دیا ہوا رہنما اصول ہے۔اس نظریے کا شکار امت مسلمہ ہی نظر آتی ہے جس کی عملی تصاویر فلسطین، افغانستان، عراق اور شام میں دیکھی جاسکتی ہیں۔ موجودہ باہمی تنازعات اور عالمی تہذیبی منظر کو سامنے رکھ کر اقبال کا مطالعہ کیا جائے تو یہی لگتا ہے کہ جیسے آپ آج کے حالات کا مشاہدہ کر کے نتائج فکر بیان کر رہے ہیں یا تبصرہ پیش کر رہے ہوں۔ اقبال کی تمام عمر استعمار کے خلاف جد وجہد ہی کی داستان ہے۔انہوں نے استعمار کی فکری بنیادوں کی طرف نہ صرف اشارہ کیا بلکہ حکیمانہ اور مدبرانہ انداز میں ممکنہ حل اور تجاویز بھی پیش کیں۔انہوں نے نہ صرف تہذیبی استعماریت اور اس کے بنیادی اصولوں و تصورات کی قلعی کھولی بلکہ ان کے اثرات و نتائج سے بھی خبر دار کیا۔انہوں نے نہ صرف ذہنی غلامی واحساس کمتری اور غیر انسانی سلوک کو تنقید کا نشانہ بنایا بلکہ محکوموں میں یقین اور جذبے کی ایسی چنگاری بھڑکائی کہ وہ زنجیر غلامی توڑنے پر آمادہ ہو گئے۔انسانوں کو ان کی فطری صلاحیتوں اور امکانات سے فائدہ اُٹھانے کا ہنر عطا کیا۔ سرمایہ دارانہ نظام کے تار پود بکھیرنے کیلئے عالمگیر اصول فراہم کئے جو انسانیت کا رس چوسنے میں لگا ہوا ہے۔ وہ پورا یقین رکھتے تھے کہ سرمایہ دار کا سفینہ ایک نہ ایک دن ضرور ڈوبے گا۔

---

(1)مودودی، ابوالاعلیٰ، اقبال اور پاکستان کنور آرٹ پریس لاہور(1970)ص،7/8

اس استعماری واستحصالی نظام کی بدولت آج انسانیت جن مسائل سے دوچار ہے اس میں ایک جدید اخلاقی نظام کی ضرورت سے انکار ممکن نہیں۔ اقبال کے مطابق اسلام ہی سے اخلاقی انقلاب کی بنیادیں کھڑی کی جاسکتی ہیں جس میں وحدت انسانیت، معاشی مساوات، حریت فکر و عمل اور سماجی فلاح و بہبود جیسی اقدار شامل ہوں۔ اسلام کا اخلاقی نظام معاشی استحصال، سیاسی و عسکری جبر و ناانصافی سے نجات کا ذریعہ بن سکتا ہے اور اسی کی بدولت تصادم کی بجائے اشتراک عمل کی فضا پر تہذیبی روابط استوار کئے جا سکتے ہیں۔ اگر عالم بشریت کا مقصد اقوام انسانی کا امن، سلامتی اور ان کی موجود جماعتی ہیئتوں کو بدل کر ایک واحد اجتماعی نظام قرار دیا جائے تو سوائے نظام اسلام کے کوئی اور اجتماعی نظام ذہن میں نہیں آتا۔ اس کی روح سے اسلام صرف انسان کی اخلاقی اصلاح کا داعی نہیں ہے بلکہ بشریت کی اجتماعی زندگی میں ایک تدریجی مگر اساسی انقلاب بھی چاہتا ہے جو اس کے قومی اور نسلی نقطہ نگاہ کو یکسر بدل کر اس میں خالص انسانی ضمیر کی تخلیق کرے(1) اقبال کی اس فکری گہرائی و گیرائی سے یہ بات واضح ہے کہ ان کی آفاقی فکر آج بھی جدید استعماریت کے خلاف پور عصری معنویت کے ساتھ ہمارے لیے مشعل راہ بن سکتی ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

(1) معینی، عبدالواحد، سید، مقالات اقبال، القمر انٹرپرائزز اردو بازار، لاہور، 2011، ص265